عبدالودود قریشی

پی ایچ ڈی سکالر، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگوئجز، اسلام آباد

نسیم حجازی کی ناول نگاری پر تنقید: تعصب یا حقیقت

Abdul Wudood Qureshi

Ph.D Scholar, National University of Modern Languages, Islamabad.

Criticism on Novels of Nasim Hijazi

Nasim Hijazi is a well known and popular novelist and writer of Urdu. Mostly he wrote historical novels emphasizing on the golden period of Muslims. Generally critics of Urdu novel do not rate him a prominent novelist. The researcher is of the view that Nasim Hijazi is one of the great Urdu novelists and has defended his stand by analyzing the critical works on novels of Nasim Hijazi.

نسیم حجازی پاکستان کے مقبول ترین ناول نگار تھے۔ پاکستان میں شاید ہی کوئی قاری ہو جس نے نسیم حجازی کا کوئی نہ کوئی ناول نہ پڑھ رکھا ہو مگر پھر بھی اردو ناول کی تنقید کے ہر دور میں نسیم حجازی کو نظر انداز کیا جاتا رہا۔ ناول پر تنقید کی کتابوں میں ان کا تذکرہ تک کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ یوسف طلال علی کے مطابق ادبی تخلیق ایک نئی اور نہایت اہم چیز ہے پھر بھی اردو کے بہت سے موجودہ نقادوں سے یہ توقع بے سود ہے کہ وہ نسیم حجازی کے فن پر کوئی منصفانہ تنقید کر سکیں۔ ایک منصفانہ تنقید کے لیے تو ابھی ہمیں مزید نصف صدی تک انتظار کرنا ہوگا (۱)۔ ڈاکٹر تصدق حسین راجا نسیم حجازی کے حوالے سے شہاب نامہ کے خالق قدرت اللہ شہاب سے اپنی ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''میں نے جناب قدرت اللہ شہاب سے جب یہ سوال کیا کہ اردو ناول نگاری میں نسیم حجازی صاحب کو نقادان ادب وہ مقام کیوں نہیں دیتے جس کے وہ مستحق ہیں تو شہاب صاحب مسکرائے اور فرمایا اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ نسیم صاحب نے ایک مشن کے طور پر ناول نگاری کو اپنایا ان کے قارئین کی تعداد بہت زیادہ ہے ان کے ناولوں کے کئی کئی ایڈیشن چھپے ہیں پھر انہوں نے لاہور میں انہی دنوں اپنی ایک ملاقات کا ذکر کیا جس میں چند ادیبوں کے علاوہ ڈاکٹر وحید قریشی بھی شامل تھے۔ شہاب صاحب نے یہی سوال ڈاکٹر وحید صاحب سے کیا جس کا جواب انہوں نے یہ دیا کہ دراصل ایم اسلم اور نسیم حجازی دو ایسے ناول نگار ہیں جن کے صرف چند ناول بہت اچھے تھے لیکن ہوا یہ کہ یہ چند ناول باقی ناولوں کے ملبے میں دب کر رہ گئے۔ اگر یہ دونوں حضرات زیادہ ناول نہ لکھتے تو یقیناً یہ چند ناول انہیں اردو ناول نگاری میں بہت اونچے مرتبے پر فائز کراتے۔ گو شہاب صاحب کو کسی حد تک ڈاکٹر وحید کی یہ بات اچھی لگی لیکن مجھے اردو ادب کے ایک طالب علم کی حیثیت سے ان کی بات سے اختلاف ہے وہ اس لیے کہ اول

تو ڈاکٹر صاحب نے خود اعتراف فرمایا کہ انہوں نے نسیم حجازی کے ناول پڑھے ہی نہیں اس لیے وہ یہ فیصلہ صادر کرنے کا حق نہیں رکھتے اور پھر اگر ان کی یہ بات تسلیم کر لی جائے تو کیا وہ بتا سکتے ہیں کہ ان ''چند بہت اچھے ناولوں'' کا ذکر نقادان ادب نے کس کس جگہ کیا ہے۔ خود قدرت اللہ شہاب نے مجھے بتایا کہ جب رائٹرز گلڈ میں نسیم حجازی صاحب کو انہوں نے شامل کیا تو کچھ ادیبوں کو اعتراض تھا جو یہ کہتے تھے نسیم حجازی ادیب نہیں۔ دراصل بات صرف اتنی سی ہے کہ بقول قدرت اللہ شہاب پاکستان میں ترقی پسند ادیبوں کے گروپ کا اثر زیادہ رہا۔۔۔ انہیں اسلام کے نام سے عناد تھا اور عناد ہے۔ یہی عناد نسیم حجازی اور ان جیسے دوسرے ادیبوں کے معاملے میں کارفرما رہا ہے ایک بیماری ادیبوں میں حسد کی بھی موجود رہی ہے اور نسیم حجازی سے حسد کرنے والے ادیبوں کی تعداد بھی کم نہیں۔ ایک زمانہ میں انہی لوگوں نے سعادت حسن منٹو مرحوم اور ممتاز مفتی کے خلاف ریزولیوشن پاس کیا تھا کہ ان کی کتابیں Ban کر دی جائیں۔ میرا کتا بچہ ''یا خدا'' چھپا تو ترقی پسندوں نے اس پر ''ادب لطیف'' میں 12 صفحات پر مشتمل مضمون لکھا اور یہ کہا کہ یہ کتا بچہ ایک ''کف دردبن'' مسلمان نے لکھا ہے۔ یہ لوگ نعت رسول مقبول ﷺ کو بھی ادبی پہلو کو سامنے رکھ کر لکھتے ہیں اور اس میں کوئی جذباتی یا مذہبی پہلو نہیں ہوتا'' (2)۔

جس طرح ہر بڑے آدمی کو بے شمار مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسی طرح نسیم حجازی کو مایوسی سے دوچار کر کے ان کا راستہ روکنے کا آغاز اسی وقت کر دیا گیا تھا جب انہوں نے اپنا پہلا ناول ''داستان مجاہد'' لکھا اسے شائع کرانے کے لیے انہیں شدید مشکل کا سامنا کرنا پڑا۔ پبلشرز نے ان کا مذاق اڑایا اور انہیں کہا کہ یہ ترقی پسند ادب کا دور ہے اور ہم صرف ترقی پسند مصنفین کی کتابیں ہی شائع کرتے ہیں۔ نسیم حجازی بیان کرتے ہیں:

> پریشانیاں جو اکثر مصنفین کے حصے میں آتی ہیں وہ میرے مقدر میں بھی تھیں لیکن دنیا کے کلاسیکی ادب کے مطالعہ سے مجھ میں خود اعتمادی پیدا ہو چکی تھی میں جس ناول کو اپنے مسائل کا حل سمجھتا تھا اس کی تکمیل کے بعد میری پریشانیاں اور بڑھ گئیں۔ (3)

نسیم حجازی پر یہ الزام لگایا گیا کہ انہوں نے تاریخ کو مسخ کیا بعض ادبی چشمک کا شکار دل جلے انتہائی ہتک آمیز انداز میں یہ تک کہتے ہیں کہ ان کے ناولوں کا آغاز گھوڑوں کے دوڑنے سے ہوتا ہے اور آخر تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ 600 صفحوں کے ناول میں 200 صفحات گھوڑوں کی دوڑ پر مشتمل ہوتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تنقید کرنے والے ان کی تصانیف کی مقبولیت سے خوفزدہ تھے۔ وہ اس حسد کا شکار تھے کہ ان کی ایک ہزار کی تعداد میں شائع ہونے والی کتاب نصف بھی فروخت نہیں ہوتی اور وہ اعزازی طور پر اسے لوگوں میں تقسیم کرتے ہیں جبکہ نسیم حجازی کے ناولوں کے دھڑا دھڑ ایڈیشنز شائع ہو رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ ان کے ہم عصروں نے ان کے حق میں کلمہ خیر نہیں کہا۔ ڈاکٹر ایس ایم زمان اپنے مقالے میں لکھتے ہیں۔

> شرر اور دوسرے اسلامی تاریخی ناول لکھنے والوں کی طرح نسیم حجازی کی ناول نگاری پر بھی تنقید ہوئی ہے کہ ان کی کہانیاں حقیقت سے دور ایک ہی سانچے میں تراشے ہوئے کردار لیے ہوئے ہوتی ہیں اور جنگیں ناول کی کہانی میں غیر ضروری طوالت کا اضافہ کرتی ہیں لیکن ان کے وہ قارئین جو ان کے واعظانہ طرز تحریر سے نہ کبھی تھکتے ہیں نہ بور ہوتے ہیں نقادانِ ادب سے اتفاق نہیں کرتے۔ (4)

وہ مزید لکھتے ہیں۔

> اس تنقید کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نقاد حضرات کی نظر سے وہ مقصد اوجھل ہو جاتا ہے جس کو سامنے رکھ کر نسیم حجازی نے یہ ناول لکھے ہیں۔ وہ مسلم نوجوانوں کے سینوں میں دبی اس چنگاری کو ہوا دے کر شعلہ بنانا چاہتے

ہیں جس سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ ممکن ہوسکتی ہے۔ان کے ذہنوں میں وہ اسلام کی وہ عظمت روشن کردینا چاہتے ہیں جس سے ان کے دماغ سے احساس کہتری جاتا رہے اور وہ ایک بار پھر یہ سوچنے لگیں کہ وہ بہت کچھ کرسکتے ہیں۔وہ ایک خدائے واحد پر ان کا یقین پختہ کرکے اپنی تقدیر خود لکھنے کی دعوت دیتے ہیں اور اسی مقصد کیلئے بار بار انہیں اسلاف کے کارنامے یاد دلاتے ہیں۔اگر یہ بات چند لوگوں کے نزدیک ادب عالیہ کے خلاف جاتی ہے تو بھی نسیم حجازی اس پر بجا طور پر ناز کرسکتے ہیں۔(5)

جہاں تک نسیم حجازی پر تنقید کی بات ہے اسے انہونی نہیں کہا جاسکتا۔تنقید نگاروں کو تو غالب اور اقبال کی شاعری میں بھی فنی محاسن کی خامیاں دکھائی دیتی تھیں، اس لیے نسیم حجازی کو نیم ادیب کہنے اور تاریخ کو مسخ کرنے کا الزام دینے والے ان کی ادبی عظمت کو ماند نہیں کرسکتے۔وہ ایسے ناولوں کے مصنف ہیں جن کی مقبولیت میں کبھی بھی کمی نہیں آئی۔نسیم حجازی ایسے ناول نگار ہیں جو نقادوں کے کلمۂ تحسین نہ کہنے کے باوجود شہرت و مقبولیت کی بلندیوں کو چھونے لگے۔وہ خود بھی یہ بات جانتے تھے کہ انہیں اپنے فن کیلئے کسی نقاد کی ضرورت نہیں۔جب بھی غیر جانبدارانہ انداز میں حقیقی ادب کی تاریخ لکھی گئی نسیم حجازی کا نام امتیاز کے ساتھ اور سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔نسیم حجازی پر لگائے گئے الزامات کا جائزہ بتاتا ہے کہ ان میں صداقت سے زیادہ تعصب کو عمل دخل ہے کیونکہ نسیم حجازی نے ناول لکھنے سے قبل تاریخی حقائق کو مدنظر رکھا، ان علاقوں کے دورے کیے جن کا تذکرہ وہ اپنے ناولوں میں کرنا چاہتے تھے۔فضل حسین قلیل لکھتے ہیں:

> 1965 کی پاک بھارت جنگ چھڑ چکی تھی اور سترہ روزہ جنگ نے ہندو بنیے کو پریشان کردیا تھا اس جنگ میں داد شجاعت پانے والے بے شمار غازی وہ تھے جو نسیم حجازی کے قارئین رہ چکے تھے۔نسیم حجازی خود بھی مختلف محاذوں پر تشریف لے گئے تھے اور اپنی آنکھوں سے ان مجاہدین کو دشمن کا غرور خاک میں ملاتے دیکھ رہے تھے۔(6)

یورپ، امریکہ اور مشرق وسطیٰ کے دورے کے بعد نسیم حجازی نے ''آخری معرکہ'' لکھی جس میں محمود غزنوی کی مغربی ہندوستان کی فتوحات کا ذکر کیا۔1965 میں ''پورس کے ہاتھی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس میں جنگ پر طنز تھی۔اسے مفت تقسیم کیا جاتا تھا۔اس جنگ میں انہیں مختلف محاذوں پر جانے کا اتفاق ہوا۔(7) اسپین جانے سے قبل بھی وہ بہت بے چین تھے انہیں یہ خیال پریشان کررہا تھا کہ وہ وہاں پہنچ کر زندہ کیسے رہیں گے اس لیے کہ وہاں تو آج بھی قدم قدم پر خون مسلم کے چھینٹے نظر آئیں گے۔بیرونی ممالک کے دوروں کے حوالے سے نسیم حجازی بتاتے ہیں:

> ''قیصر و کسریٰ'' میرا ایک ایسا ناول ہے جس کا مواد کئی برس قبل میرے ذہن میں موجود تھا لیکن مجھے قلم اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی تھی کیونکہ اس کیلئے تین براعظموں کی تاریخ کا وسیع مطالعہ کرنے کی ضرورت تھی۔میں نے عمرہ سے واپس آکر یہ کام جسے میں اپنی زندگی کا اہم ترین کام سمجھتا ہوں شروع کیا اور 63-1962ء کے دوران یہ ناول مکمل کرلیا اس کیلئے میں نے بیروت سے ایک نیا قلم خریدا۔حرم مکہ میں داخل ہوتے ہی اسے آب زم زم میں ڈبویا۔پھر جب میزاب رحمت کے نیچے نماز پڑھ رہا تھا تو بارش ہورہی تھی میں نے قلم نکال کر میزاب رحمت کے نیچے رکھ دیا۔میں قیصر و کسریٰ کے نام سے اس دور کی منظر کشی کرنا چاہتا تھا جب یہ دنیا آفتاب رسالت کی ضیا پاشیوں سے منور ہونے والی تھی اور مجھے یہ خوف محسوس ہوتا تھا کہ میرے قلم سے کوئی لغزش نہ ہوجائے میں تین دن مکہ مکرمہ میں رہا اور کئی بار تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد بارش جاری رہی

میں میزاب رحمت کی دھار کے نیچے بیٹھ کر نوافل پڑھا کرتا تھا۔ ایک دن ایک افریقی نوجوان چادر بچھا کر میرے ساتھ کھڑا ہو گیا اس کی چادر کے کئی رنگ میرے کپڑوں پر پھیل گئے۔ آج جب میں اپنے ماضی پر غور کرتا ہوں تو مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میری زندگی کے بہترین لمحات وہی تھے جو میں نے قیصر و کسریٰ لکھنے پر صرف کیے تھے میں اسے اللہ تعالیٰ کا خاص انعام سمجھتا ہوں کہ میں تین براعظموں کے وہ مقامات دیکھ چکا تھا جن کے پس منظر میں یہ ناول لکھا گیا۔(8)

نسیم حجازی اپنی بیماری کے دوران ڈاکٹر شرف الدین اصلاحی کو اپنی تحریریں لکھواتے تھے۔ وہ بتاتے ہیں کہ وہ کبھی کبھی اچانک لاہور چلے جاتے تھے میں سمجھتا تھا کہ اخبار کے کسی کام سے گئے ہوں گے مگر وہ اکثر کتابیں دیکھنے کیلئے جاتے تھے تاریخ اور جغرافیہ سے متعلق کسی بات میں ذرا سے شک پر وہ لاہور جاتے لائبریری سے کتاب نکلواتے اور اطمینان کے بعد واپس آ کر لکھواتے یا لکھنے میں مصروف ہو جاتے۔ (9) ڈاکٹر صغریٰ بانو شگفتہ کے مطابق عرب و عجم کی سیاسی واجتماعی و تاریخی داستانوں کا بیان کرنا گویا عالم انسانیت کے ان گوشوں کو نمایاں کرنا ہے جو صدیوں سے روشنی کے منتظر ہوں اور ایسے میں اس انداز سے قلم کا، نپے، تلے، جچے قدموں سے رقص کرنا جس میں غلط بیانی کا شائبہ تک نہ ہو۔ تاریخ کے ذکر میں وہ احتیاط کہ غیر بھی دنگ رہ جائیں۔ چنانچہ اہل علم گواہ ہیں کہ ان تواریخ سے استفادہ کیا گیا جنہیں غیر مسلم بھی مستند سمجھتے ہیں حقائق کو جاننے کیلئے بیرون ملک سفر کی صعوبتیں برداشت کیں تا کہ حقائق بہتر طور پر لکھے جا سکیں (10)۔

کم و بیش یہی صورتحال ڈاکٹر تصدق حسین راجا لکھتے ہیں۔

انقرہ سے استنبول پہنچے تو نسیم صاحب کچھ پرانے مزارات دیکھنے چلے گئے۔ انہیں اپنے ناول کیلئے کچھ ایسے کرداروں کے مزارات کی تلاش تھی جو قدیم استنبول میں مل جانے چاہئیں تھے۔ راستے میں انہوں نے چٹیل پہاڑیاں دیکھیں ہر پہاڑی اپنی جگہ علیحدہ علیحدہ ایستادہ تھی جنہیں دیکھ کر ان کے ذہن میں عرب کا سارا قبائلی نظام پھر گیا۔ نسیم حجازی کوٹی وی پر پیش کیے گئے ڈرامے ''شاہین'' کی ڈرامائی تشکیل کے کئی پہلوؤں پر اعتراض تھا اس سلسلے میں نسیم حجازی نے ڈاکٹر صاحب کو قرطبہ، اشبیلیہ، اندلس اور دیگر شہروں کا نقشے کی مدد سے ذکر کر کے سمندروں پہاڑوں اور میدانوں کے بارے میں بتایا۔(11)

بریگیڈیئر گلزار کا کہنا ہے:

نسیم کے سبھی ناول تاریخی کہلاتے ہیں۔ جو بات نسیم کو دوسرے اس صف کے مصنفین سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ نسیم تاریخ کو مسخ نہیں کرتا بلکہ جو معاشرتی و تہذیبی تفصیلات کہانی میں شامل کرتا ہے وہ معروف تاریخی واقعات کے پس منظر کو واضح تر کر کے انہیں سمجھنے میں آسانی پیدا کر دیتا ہے۔ تاریخ کے ساتھ مطابقت کے علاوہ فن داستان گوئی میں نسیم حجازی کا قلم یکتائے زمانہ اور منفرد مقام رکھتا ہے۔(12)

غور طلب بات یہ ہے کہ جو شخص مختلف ملکوں و شہروں کا دورہ کیے بغیر ناول نہیں لکھتا جو لغزش کے خوف سے آب زم زم میں قلم بھگو کر میزاب رحمت کے نیچے رکھ دیتا ہے۔ براعظموں کی تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے، لغزش کے خوف سے کانپتا ہے۔ شک دور کرنے کیلئے بار بار لائبریریوں کا رخ کرتا ہے وہ کیسے تاریخ کو مسخ کر سکتا ہے۔ اس نے اپنے ناولوں میں دریاؤں، پہاڑوں اور صحراؤں کا ذکر گھر بیٹھ کر نہیں انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر کیا ہے۔ ڈاکٹر شفیق احمد اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور اپنے مضمون ''نسیم حجازی بحیثیت ناول نگار'' میں لکھتے ہیں۔

نسیم حجازی نے تاریخی ناول لکھتے وقت کہانی اور قصہ پن کے جملہ تقاضے پورے کرنے کے باوجود نہ تو کسی تاریخی شخصیت کا دامن تار تار کیا اور نہ تاریخ کے سینے کو داغدار کرنے کی غلطی کی جبکہ اردو کے معروف تاریخی ناول نگار عبدالحلیم شرر کے بہت سے ناولوں میں سے صرف ''فردوس بریں'' کو مندرجہ بالا نقص سے بری الذمہ قرار دیا جاسکتا ہے اور غالباً وہ بھی اس لیے کہ فردوس بریں میں ایک ایسی تحریک کو موضوع بنایا گیا ہے جس کے بارے میں قارئین کافی معلومات نہیں رکھتے اور اسی بناء پر شرر کا بے لگام تخیل اس تحریک کے نقش ابھارنے میں کامل طور پر آزاد تھا۔ بصورت دیگر معمولی کردار تو درکنار شرر نے سلطان صلاح الدین ایوبی جیسی مشہور شخصیت کو بھی مسخ کرنے سے گریز نہیں کیا اور اس معروف شخصیت کے بیٹوں کے ناموں میں گڑبڑ کردی جبکہ نسیم حجازی نے جس قدر بھی ناول لکھے ہیں ان کی ایک نہایت اہم خوبی یہ ہے کہ اس میں اس نے قصے اور کہانی کے تاریخ سے مختلف تقاضوں کے باوجود اصل حقائق کو مسخ نہیں کیا۔ اس سلسلے میں حیرت انگیز بات یہ ہے کہ نہ صرف معروف واقعات بلکہ ان واقعات کی معمولی معمولی تفاصیل اور جزئیات تک میں نسیم حجازی نے کسی طرح کا ردوبدل نہیں کیا۔(13)

درحقیقت نسیم حجازی کو تاریخ مسخ کرنے کا مورد الزام ٹھہرانے والے اس ضمن میں کوئی ثبوت پیش نہیں کرتے۔ ان میں سے اکثر نے ان کے ناولوں کا مطالعہ تک نہیں کیا ہوتا بلکہ وہ اپنے بغض کینے اور حسد کو سینہ بہ سینہ دوسروں تک منتقل کرتے رہتے ہیں جبکہ نسیم حجازی کی یہ کوشش رہی کہ وہ الفاظ کی شعبدہ بازیوں سے لوگوں کو گمراہ کرنے کے بجائے اصل حقائق ان کے سامنے رکھیں۔ ان کی تحریریں بتاتی ہیں کہ انہوں نے تاریخ میں ذرا سا ردوبدل بھی نہیں کیا۔ نسیم حجازی کے ناول ''آخری چٹان'' میں جن واقعات، تواریخ، علاقے اور شخصیات کا ذکر ہے وہ اس ضمن میں تاریخ کی دیگر کتابوں سے مماثلت رکھتا ہے انہوں نے سلاطین کے ناموں میں تغیر وتبدل تو درکنار تاریخی ترتیب میں بھی کوئی ابہام پیدا نہیں ہونے دیا اس سلسلے میں بشریٰ یوسف لکھتی ہیں۔

> آخری چٹان کا پورا قصہ اس انداز میں تخلیق کیا گیا کہ ناول ہونے کے باوجود اس کا ایک ایک واقعہ تاریخی سند کے اعتبار سے سچا اور حقیقی واقعہ ہے۔(14)

تاریخ بتاتی ہے کہ ہلاکو خان نے بغداد کے آخری خلیفہ مستعصم کے وزیراعظم ابن علقمی سے مل کر بغداد کو تباہ و برباد کیا اور خوارزم شاہی سلطنت کا خاتمہ کرنے میں کامیاب ہوا۔ ناول کا آغاز خلیفہ ناصر الدین سے ہوتا ہے جس کے انتقال کے بعد طاہر اور مستنصر خلافت کے منصب پر فائز ہوئے۔ ناول میں دیئے گئے واقعات میں بتایا گیا ہے کہ تاتاریوں سے شکست کی بنیادی وجہ سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے مصاحبین کی باہمی چپقلش تھی۔ اس بارے میں نسیم حجازی نے لکھا ہے

> شیگی تو تو کی شکست کے بعد جو مال غنیمت سلطان کے ہاتھ آیا اس میں ایک خوبصورت گھوڑا بھی تھا۔ اس گھوڑے پر امین الدین اور سیف الدین اغراق میں تکرار ہوگئی سیف الدین کے منہ سے کوئی سخت جملہ نکل گیا اور امین الدین نے غصے میں آکر اسے چابک رسید کردیا۔ سیف الدین کے بھائی نے فوراً تلوار کھینچ لی اور امین الملک پر حملہ کردیا۔(15)

اس واقعہ کے بارے میں غلام ربانی کے الفاظ ضرور مختلف ہیں لیکن واقعہ میں کوئی اختلاف نہیں بیان کرتے ہیں۔ اس نازک موقع پر سیف الدین اغراق اور امین الملک کے درمیان ایک گھوڑے کے بارے میں تو تو، میں

میں شروع ہوگئی اور امین الملک نے گھوڑے کا چابک اٹھا کر سیف الدین کو دے مارا۔(16)

سلطان جلال الدین خوارزم شاہ غزنی میں شکست کھا کر ہندوستان کی جانب بڑھ رہا تھا تو تاتاری اس کے تعاقب میں تھے دریائے سندھ کے کنارے ان میں شدید مڈھ بھیڑ ہوئی۔ تاتاریوں کی کوشش تھی کہ جلال الدین کو گھیر کر گرفتار کر لیں لیکن جلال الدین نے گرفتاری کے بجائے کسی خوف کے بغیر اپنا گھوڑا دریائے سندھ میں ڈال دیا۔ اس واقعہ کا تذکرہ کرتے ہوئے نسیم حجازی لکھتے ہیں۔

> جلال الدین کے اکثر ساتھی تاتاریوں کے تیروں اور بعض دریا کی تند و تیز موجوں کا شکار ہو چکے تھے لیکن جلال الدین تیروں کی زد سے دور جا چکا تھا وہ دوسرے کنارے پر پہنچ کر ایک ٹیلے پر چڑھا اور دور بیٹھ گیا۔(17)

معین الدین ندوی نے اپنی کتاب ''تاریخ اسلام'' میں اس واقعہ کو اسی طرح بیان کیا ہے جس سے نسیم حجازی کے بیان کردہ واقعہ کی تصدیق ہوتی ہے لکھتے ہیں:

> جلال الدین دریائے سندھ کے ساحل پر موجود تھا۔ چنگیز نے اس کو گھیر لیا۔ جلال الدین نے اپنی مختصر سپاہ کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن ایک طرف دریائے سندھ تھا اور دوسری سمت میں کمان کی شکل میں تاتاری۔ جلال الدین نے جب یہ دیکھا تو اس نے بے محابا گھوڑے کو دریا میں ڈال دیا۔(18)

تاریخ کے واقعات قلمبند کرتے ہوئے نسیم حجازی کے احتیاط کا یہ عالم تھا کہ وہ اہم شخصیت کے مکالمے تک ہو بہو بیان کرتے ہم دیکھتے ہیں کہ جب جلال الدین گھوڑے کو دریائے سندھ میں ڈال کر دریا کے پار چلا گیا تو چنگیز خان نے اس جوانمرد کی ہمت کی داد دیتے ہوئے کہا: ''از پدر پسر چنیں باید''(19)

نسیم حجازی ''آخری چٹان'' میں اس جملے کا جوار دو ترجمہ لکھتے ہیں وہ فارسی کے اس جملے کی خوبصورت تفسیر ہے۔

> خوش نصیب ہے وہ باپ جس کا بیٹا جلال الدین جیسا ہو اور مبارک ہیں وہ مائیں جو ایسے شیروں کو دودھ پلاتی ہیں۔(20)

معین الدین ندوی نے بھی اس موقع پر ''تاریخ اسلام'' میں چنگیز خان کے منہ سے جو الفاظ ادا کیے ہیں وہ نسیم حجازی کے جملوں سے ملتے جلتے ہیں:

> اس دلیری پر چنگیز بھی حیرت زدہ رہ گیا اور اس نے اپنے لڑکوں کو مخاطب کر کے کہا ہر باپ کا بیٹا ایسا ہی ہونا چاہیے۔(21)

نسیم حجازی پر تنقید کرنے والے شاید یہ نہیں جانتے کہ نسیم حجازی تو شخصیات، واقعات، جملوں اور علاقوں کے علاوہ تاریخوں میں بھی کوئی اختلاف پیدا نہیں ہونے دیتے۔ ٹیپو سلطان کے حوالے سے لکھے گئے ناول ''اور تلوار ٹوٹ گئی'' میں لکھتے ہیں:

> 3 مئی کے دن فصیلوں میں چند شگاف پیدا ہو چکے تھے اور شہر میں جگہ جگہ آگ لگی ہوئی تھی سلطان آدھی رات تک مختلف مورچوں میں گشت کرتا رہا تیسرے پہر اس نے محل میں جانے کی بجائے شمالی دیوار کے ساتھ ہی کچھ دیر آرام کیا صبح کے وقت وہ نماز سے فارغ ہو کر باہر نکلا ایک گولی سلطان کے گھوڑے کے پیٹ میں لگی اور اس نے گرتے ہی دم توڑ دیا۔(22)

اس واقعہ کے بارے میں محمود بنگلوری بیان کرتے ہیں۔

''4 مئی کو قلعہ پر فوج کشی ہوئی اور اسی شام سلطان شہید ہو گیا'' (23)

یعنی تین مئی کی جس تاریخ کا نسیم حجازی نے حوالہ دیا اس روز فصیل میں سوراخ ہوئے شہر میں آگ لگی رہی اور اگلے روز یعنی 4 مئی کو سلطان اور سرنگا پٹم کا قلعہ غداروں کی ریشہ دوانیوں سے صفحۂ ہستی سے مٹ گئے۔ ان کے ناول ''معظم علی'' کا ایک اقتباس ملاحظہ کریں۔

> 13 جنوری 1761ء کا آفتاب ہندوستان کی تاریخ کا ایک عظیم معرکہ دیکھ رہا تھا۔ طلوع سحر کے ساتھ مرہٹہ فوج نے میلوں صفوں میں اپنے پڑاؤ سے نکل کر آگے بڑھنا شروع کیا۔ ان کے میسرہ پر گاردی کے تربیت یافتہ دستے تھے اور اس کے ساتھ گیکوار کی فوجیں تھیں۔ میمنہ میں ملہار راؤ ہلکر اور جنکو جی سندھیا تھے۔ قلب لشکر میں بھاؤ اور بشواش راؤ ایک جنگی ہاتھی کے ہودخ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے لشکر کے قلب میں ابدالی کا وزیر اعظم شاہ ولی خان تھا اور اس کی کمان میں درانی فوج کے دو آزمودہ کار جانباز تھے جو کئی میدانوں میں داد شجاعت دے چکے تھے۔ میسرہ پر شاہ پسند خان اور نجیب الدولہ تھے۔ شجاع الدولہ کی افواج میسرہ اور قلب لشکر کے درمیان تھیں میمنہ کی قیادت برخوردار خان کے ہاتھ میں تھی اور روہیلہ، مغل اور بلوچ سپاہیوں کے کئی دستے اس کے ساتھ تھے۔ (24)

یہ اقتباس پانی پت کی لڑائی سے متعلق ہے جس میں جن سپہ سالاروں کے نام اور عہدے دیئے گئے ہیں وہی نام ''تاریخ اودھ از نجم الغنی جلد اول صفحہ نمبر 70 نفیس اکیڈمی کراچی'' میں بھی لکھے گئے ہیں جس سے نسیم حجازی کو تاریخ مسخ کیے جانے کا الزام دینے والوں کے تعصب کی قلعی کھلتی ہے اور یہ ہتا آشکار ہوتی ہے کہ نسیم حجازی نے قدم قدم پر اپنے قلم کی لاج رکھی ہے اور یہی وجہ ہے کہ تمام تر متعصبانہ پروپیگنڈے کے باوجود نسیم حجازی کے ناولوں کی مقبولیت میں کوئی کمی نہیں آئی اور نسیم حجازی عہد حاضر کے ایک مقبول تاریخ نگار کی سے ابھر کر سامنے آئے۔ ستم ظریفی تو یہ ہے کہ ان کے مخالفین انہیں صحافت کی کتابوں میں بحیثیت صحافی تسلیم کرنے پر بھی آمادہ نہیں حالانکہ ان کے صحافتی قد کاٹھ کے بارے میں بھی دو رائے نہیں ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ ہمارے ناقدین کا طرز تنقید یورپی افسانوی ادب کے طرز تنقید کے تابع ہے۔ یورپ کے افسانوی ادب کے ناقدوں نے افسانوی ادب کو جانچنے کے کچھ اصول وضع کر لیے پھر ان اصولوں کے ڈھانچوں میں اپنی تنقید کو فٹ کرنے لگے۔ گویا وہ اپنی اختراع اور تنقید کے مقید ہو کر رہ گئے ان کے خیال میں ناول یوں شروع ہونا چاہیے اور یوں پڑھنا چاہیے۔ اس کے واقعات اس اور اس طرح ہونے چاہئیں۔ نسیم حجازی کی بدقسمتی ہے کہ اردو کے عام نقاد زیادہ تر وہ ہیں جو انگریزی ادب کے حلقہ بگوش ہیں اور اگر مشرقی ادبیات کے طالب علم ہیں تو بھی ان کے تنقیدی پیمانے مغرب والوں جیسے ہیں۔ مغربی ادب ذرا عروج پذیر ہوا تو عموماً اس میں مذہب کے خلاف ایک پوشیدہ سی بغاوت کا عنصر موجود تھا۔ یہ ردعمل تھا پندرہویں، سولہویں اور سترہویں صدی کے ان مذہبی تعصبات کا جو مختلف یورپی معاشروں میں بار بار خون ریزی کا باعث بنتے رہے۔ دوسری بات یہ تھی یورپ کا عمومی مزاج دینی کم تھا اور مادی زیادہ۔ حجازی کے ناولوں کے اکثر واقعات کا تاریخ سے موازنہ کرنے سے بآسانی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ان کے ہاں تاریخ سے انحراف کا شائبہ تک نہیں۔ جذباتی انداز بیان کے ساتھ ہتا پسندی کا دامن جس طرح سے پکڑا گیا ہے وہ یقیناً حجازی کے حسن احتیاط کا مظہر ہے۔ حجازی نے اپنے ناولوں میں حالات و واقعات کی جو تصویریں کھینچی ہیں ہو بہو وہی تصویریں تاریخی کتب میں بھی ملتی ہیں۔ انہوں نے تاریخی مواد کو اپنی ناول نگاری کیلئے بطور ماخذ استعمال کیا پھر تاریخی حقائق پر اپنے تخیل کا ایسا ملمع چڑھایا کہ نہ تو تاریخ مسخ ہوئی اور نہ ہی افسانوی اثر زائل ہو پایا۔ ان کا تخلیقی تخلیل

تاریخ کو فکشن کے طور پر دلچسپی کے ساتھ پڑھنے کا جواز فراہم کرتا ہے۔ تاریخی حقائق کو مسخ کیے بغیر وہ جس عمدگی کے ساتھ حالات وواقعات کو پیش کرتے ہیں وہ صرف انہی کا خاصا ہے۔ اپنے ناول ''معظم علی'' میں انہوں نے اس عہد کے ہندوستانی مسلمانوں کی معاشرت، معیشت اور سیاسی سمجھ بوجھ، مرہٹوں کی تہذیب، قبائلی تمدن اور انگریزوں کی سازشوں کو اس طرح سے پیش کیا ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ناول نگار اس زمانے کے ہندوستان کے گوشے گوشے اور چپے چپے سے پوری واقفیت رکھتے ہیں۔ اس زمانہ کی تہذیب، تمدن، سیاست، معاشرت اور معیشت کا علم رکھتے ہیں۔ ہیئت وموضوعات کی یکسانیت کے باعث ہی حجازی کو ادبی دنیا میں پہلے حیرت سے دیکھا گیا پھر پوری دلچسپی سے پڑھا گیا اور بعض لوگوں نے ان پر مایوس کن تبصرے بھی کیے حالانکہ حجازی نے ان ناولوں میں کئی ناول نگاروں کی نسبت بہتر انداز میں تاریخ اسلام کی عہد بہ عہد تبدیلیوں کا فنکاری کے ساتھ تجزیہ کیا۔ تاریخ بیان کرنے کا ان کا مقصد یہ تھا کہ ہمارا ماضی، زمانے کے انقلابات کے نیچے دفن نہیں ہوا ہمارے ماضی کی تاریخ مٹی نہیں بلکہ زندہ ہے اور ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ اسے حال کے ساتھ منضبط کر کے مستقبل کی تعمیر کریں۔

نسیم حجازی پر تنقید ماضی کا مسئلہ ہی نہیں آج بھی جب وہ منوں مٹی تلے محو استراحت ہیں ان پر طعن وتشنیع کے تیر برسانے اور زہر آلود تنقید کرنے والوں کی کوئی کمی نہیں ہے ایسے عجیب وغریب الزامات عائد کیے جاتے ہیں کہ جن کا کوئی سر پیر نہیں۔ نہ ان کی دلیل میں کوئی وزن دکھائی دیتا ہے کیونکہ زندگی کے دھارے کے ساتھ بے سمت بہے جانے والے بھی یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں امیر البحر تصور کیا جائے۔ ان کے ناولوں کی بے پناہ مقبولیت کے حوالے سے ان کا کہنا ہے کہ انٹرنیٹ پر موجود نازیبا مواد دیکھنے والوں کی تعداد بھی کچھ کم نہیں، اتنے لوگ روزانہ ان کے ناول نہیں پڑھتے ہوں گے جتنے اس مواد کو دیکھتے ہیں۔ انٹرنیٹ ہی پر موجود ایک مضمون جس میں مصنف کا نام موجود نہیں، لکھا گیا ہے کہ ''نسیم حجازی کے ناولوں میں ہیرو ایک طرف تو مسیحی شہزادی پر عاشق ہوتا ہے اور دوسری طرف صاحب شمشیر مجاہد بھی ہوتا تھا جس کی ریش مبارک میں ہر وقت وضو کے قطرے آویزاں رہتے تھے''۔

اس نوع کے اعتراضات کرنے والے شاید نہیں جانتے کہ تاریخ کسی قصہ یا واقعہ سے تعلق رکھتی ہے جبکہ تاریخی ناول اس قصہ یا واقعہ کی ترتیب کا نام ہے ناول میں ہر اس شے کو داخل کیا جاتا ہے جس کے ذریعے کسی واقعہ یا قصے کو رنگین سے رنگین تر بنایا جاسکتا ہے۔ چاہے بنیادی واقعہ اپنی اصل شکل میں قائم رہے یا نہ رہے جبکہ مورخ کیلئے یہ امکانات مفقود ہوتے ہیں۔ تاریخی وافسانوی ھتا میں یہی بنیادی فرق ہے اور یہی فرق تاریخ اور تاریخی ناول کو ایک دوسرے سے الگ اور ممیز کرتا ہے مورخ کا مقصد صرف واقعہ کو بیان کرنا ہوتا ہے جبکہ ناول نگار اس کے ذریعے پڑھنے والے کے ذہن اور جذبات کو اپنے قبضے میں کر لیتا ہے۔ مورخ کے یہاں ناول نگار کی نسبت زیادہ ضبط کی ضرورت ہے۔ اس کے برعکس ناول کا معاملہ مختلف ہے اس کا دائرہ عمل بہت ہی وسیع ہے ناول نگار کو مورخ کا ایک سمتی طریقہ چھوڑ کر کبھی رومانوی اور کبھی شاعرانہ انداز اختیار کرنا پڑتا ہے تاکہ تاثرات میں شدت پیدا کی جاسکے یوں رومانوی اور شعری فضا پیدا کر کے ماضی کے واقعات کو حال کی زندگی کی طرف جوڑا جاتا ہے اور کہانی میں پائی جانے والی ا ختم ہو جاتی ہے۔

حوالہ جات:

(1) طلال علی یوسف:(1984)''مقالہ''اکادمی ادبیات کی تقریب میں پڑھا گیا۔26 ستمبر 1984

(2) راجا تصدق حسین ڈاکٹر:(1987)''نسیم حجازی ایک مطالعہ''قومی کتب خانہ لاہور۔ص:270-269-268

(3) حجازی نسیم:(1986)نشری انٹرویو،ریڈیو پاکستان اسلام آباد 20 مئی 1986

(4) زمان ایس ایم ڈاکٹر:(1982)''مقالہ''ریسرچ جرنل پنجاب یونیورسٹی لاہور 29 جنوری 1982

(5) ایضاً

(6) راجا تصدق:(1987)محولہ بالا:ص:82

(7) ایضاً:ص:54

(8) حجازی نسیم:(1986)محولہ بالا

(9) اصلاحی شرف الدین ڈاکٹر:ذاتی ملاقات،15 فروری 2013،اسلام آباد

(10) راجا تصدق:(1987)محولہ بالا۔ص:73

(11) ایضاً:ص:50-48

(12) ایضاً:ص:110

(13) ایضاً:ص:87-86

(14) یوسف بشریٰ:''نسیم حجازی کے دو ناول''مقالہ برائے ایم اے اردو،مملوکہ اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور۔ص:153

(15) حجازی نسیم:(1947)''آخری چٹان''قومی کتب خانہ لاہور۔ص:389

(16) عزیز غلام ربانی''تاریخ خوارزم شاہی''۔ص:144

(17) حجازی نسیم:(1947)محولہ بالا۔ص:400

(18) ندوی معین الدین:(1973)''تاریخ اسلام''ایجوکیشنل پریس کراچی۔ص:347

(19) عزیز غلام:محولہ بالا۔ص:146

(20) حجازی نسیم:(1947)محولہ بالا۔ص:400

(21) ندوی:(1973)محولہ بالا۔ص:347

(22) حجازی نسیم:(1958)''اور تلوار ٹوٹ گئی''قومی کتب خانہ لاہور۔ص:498

(23) بنگلوری محمود:(1947)''ٹیپو سلطان''گوشہ ادب لاہور

(24) حجازی نسیم:(1957)''معظم علی''قومی کتب خانہ 9 فیروز پور روڈ لاہور:ص:327